ذکرِ مصحفی

(جناب نثار احمد صاحب فاروقی۔ یونیورسٹی لائبریری دہلی)

(۷)

سعادت خاں ناصر نے خوش معرکۂ زیبا[۱] میں، عبدالغفور نسّاخ نے سخن شعرا[۲] میں، عبدالحیٔ صفا بدایونی نے شمیم سخن[۳] میں اور سید اصغر حسین امروہوی نے تاریخ اصغری میں بھی مانی ہی لکھا ہے۔ ان راویوں میں سے آخری تین کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ ان کا ماخذ "سراپا سخن" ہی ہے۔ اصغر حسین نے تو حوالہ بھی دیا ہے:

"شیخ غلام ہمدانی۔۔۔ مصحفی تخلص، شاگرد میاں مانی کے تھے۔۔۔ جیسا کہ تذکرہ سراپا سخن بمؤلفہ میر حسن علی لکھنوی (کذا) اس کا شاہد حال ہے۔"[۴]

لیکن تلمذ کے سلسلے میں محسن کی یہ روایت قابلِ قبول نہیں ہو سکتی جب تک کوئی قدیم ترین سند نہ ملے۔ امیر احمد علوی کے بیان کا جو طویل اقتباس ہم نے اوپر درج کیا، سرسری نظر میں اس پر کئی تنقیحات قائم ہوتی ہیں جنھیں مقتبسہ عبارت میں ہندسے لگا کر تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اور یہاں ان کی صراحت کی جاتی ہے:

(۱) تذکرۂ سراپا سخن کا حوالہ علوی صاحب نے اصل کتاب سے رجوع کئے بغیر درج کر دیا ہے ورنہ ان کا ماخذ دراصل آب حیات ہے۔ سراپا سخن کے مؤلف نے مختلف نام لکھا ہے۔

(۲) یہ نہیں بتایا کہ تلمذ کی یہ روایت "پایۂ اعتبار سے ساقط" کیوں ہے؟ اس کی تردید کے لئے کافی ثبوت کی ضرورت تھی۔

---

[۱] سعادت خاں ناصر کے "خوش معرکۂ زیبا" کا ایک قلمی نسخہ لکھنؤ یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ (کیٹلاگ مشرقی مخطوطات/۱۲ (۱۵۹/۶)) [۲] نساخ: سخن شعرا/۴۴۰ (۱۸/۱) [۳] صفا: شمیم سخن/ [۴] اصغر حسین: تاریخ اصغری/۱۳۹۔

(۳) اگر امانی ۱۱۸۱ھ میں مرشد آباد چلے گئے تھے تو مصحفی سے ان کی ملاقات کا امکان ہی نہیں۔ مصحفی ۱۱۸۶ھ سے پہلے دہلی کبھی نہیں آئے۔ اس کے شواہد گزشتہ صفحات میں پیش کئے جا چکے ہیں۔

(۴) "مصحفی کم سنی میں تحصیل علم کے لئے دہلی آئے" یہ غلط ہے۔ اوّل تو وہ کم سنی میں نہیں آئے، دوسرے تحصیل علم کے لئے نہیں، تلاشِ معاش میں آئے تھے۔ اور اسی دوران میں محنت و مطالعے سے علمی استعداد میں اضافہ کیا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

(۵) میرا خیال ہے کہ یہ دوسرا تخلص شیفتہ نے کسی غلط روایت کی بنیاد پر لکھ دیا ہے۔ شاہجہاں آباد سے صرف ایک ہی امانی کا تعلق تھا جن کا مختصر حال خود شیفتہ نے لکھا ہے۔[۱]

(۶) یہ بھی غلط ہے کہ اسد مصحفی کے ہم عمر تھے۔ اس کا ثبوت فراہم کرنا ضروری تھا۔ مصحفی ان کے ہم صحبت تھے اور ان کا بیان ہے کہ انتقال کے وقت ان کی عمر پچاس برس کے قریب تھی۔ اور وہ "سرائے بانگر مئو" میں رہزنوں کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔[۲] سن و سال میں وہ مصحفی سے یقیناً بڑے ہوں گے۔[۳] پھر یہ کہ عمر کا تفاوت لازمۂ شاگردی و تلمذ میں حارج نہیں ہوتا۔ شاہ مبارک آبرو (پیدائش ۱۰۹۵ھ) سراج الدین علی خاں آرزو (پیدائش ۱۰۹۹ھ) کے شاگرد تھے اور دونوں کی عمر میں ۴۔ ۵ سال کا تفاوت تھا۔

طبیعت کی موزونی اور شعر و شاعری سے مناسبت خداداد ملکہ ہے اس کا اکتساب سے کچھ تعلق نہیں ہے

---

[۱] شیفتہ: گلشنِ بے خار / ۲۰، طبع ہندی / ۱۶۔ "اکثر در مشاعرۂ فقیر در شاہ جہان آباد می رسید"۔

[۲] یہاں ایک عجیب غلط مبحث ہو جاتا ہے، میر امانی اسد، اور میر امانی امانی، دو شاعر ہیں اول الذکر کا نام میر حسن نے "میر علی اسد" لکھا ہے یہ مرزا سودا کے شاگرد تھے تلاشِ روزگار میں مرشد آباد چلے گئے تھے، اور بقول مصحفی رہزنوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ دوسرے میر امانی امانی، خواجہ آثم کے فرزند تھے۔ یہ بھی مرشد آباد گئے تھے۔ مرثیہ و سلام زیادہ کہتے تھے ایک دن مرثیہ پڑھ رہے تھے اسی حالت میں بر سر منبر انتقال کیا۔ (میر حسن: تذکرۂ شعرائے اردو / ۱۵) مرزا علی لطف نے ان کی وفات ۱۱۸۷ھ بتائی ہے اور شیفتہ ۱۱۸۱ھ لکھتے ہیں (بے خار / ۲۷)۔ میر امانی اسد سودا کے شاگرد تھے۔ دونوں کے ناموں میں بڑی مماثلت ہے اس لئے اکثر لکھنے والوں نے گڈمڈ کر دیا ہے۔ تیسرے کسی "میر امانی" یا "اسد" کا حال تذکروں میں نہیں ملتا۔

اسی لئے عربی کا مشہور مقولہ ہے "الشعراء تلامیذ الرحمٰن" (شاعر کو مبدا رفیاض سے تلمذ
حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کسی زبان کے بھی جتنے بڑے بڑے شاعر ہوئے ہیں جن کا نام اور فن آج
وہ کسی استاد کی محنت یا تعلیم و تربیت کا نتیجہ نہیں، بلکہ ان کی فطری صلاحیتوں نے انہیں اوج کما
دیکھا جائے تو فارسی اور اردو کے سوا کسی دوسری زبان میں استادی اور شاگردی جیسا کو
نہیں تھا۔ اگر کسی کی شاعری استاد کی رہینِ منت ہوتی تو شعر و ادب کے معاریں ... کے پیمانے ہی
ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ فارسی اور اردو میں عروض کے قواعد کی پابندی بہت سخت ہے اس کے
کی نوک پلک اور نک سک کا حد درجہ خیال رکھا جاتا تھا۔ اس میں اجتہاد کی گنجائش مشکل ہی سے نکلتی
کھیلنے کا تو ذکر ہی کیا ـــ کسی سے اصلاح لینے یا مشورہ لینے کا مدعا یہی ہوتا تھا کہ زبان کے ر
اوزان و عروض کے حقائق و دقائق اور "ترصیع و ترکیب" کے اصول سیکھ لئے جائیں۔ ورنہ کوئی است
کے محسوس کرنے کا انداز، سوچنے کا طریقہ اور اخذ و گرفت کا زاویہ تبدیل نہیں کر سکتا نہ اس کے اح
میں ڈھل دے سکتا ہے۔ احساس و ادراک شعر کی روح ہیں۔ اور الفاظ ان کا جسم یا جامہ۔ اس۔
کی اہمیت کچھ نہیں رہ جاتی کہ کسی شاعر کا استاد کون تھا؟ بقول حضرت اثر لکھنوی:

شعر کیا؟ موقلمِ عشق سے تصویرِ جمال
کوئی اُستاد کسی کا اثرؔ اس فن میں نہیں

لیکن تاریخ ادبیات کا طالب علم اس تاویل سے شاید مطمئن نہ ہو۔ اسی لئے ہمیں یہ بھی تحقیق کرنا پڑتا
کے ذہنی نشو و نما اور ساخت پرداخت میں حصہ لینے والا کون تھا۔ اُسے روزمرہ، محاورہ، فصاحت
اور فن کے نکات و رموز کس نے بتائے اور رروا کرائے۔ اور اس کے فنی مدارج کی تکمیل کر
صلاحیتوں کو اُبھارا۔

خود مصحفی نے اپنے اُستاد کا کہیں نام تک نہیں لکھا صرف ایک جگہ زمان کا حال لکھ
کیا ہے کہ میں اپنی مکتب نشینی کے زمانے میں اُستاد کے ساتھ جا کر اُن سے ملا تھا۔ اور یہ عبار
بھی نقل کر چکے ہیں:

فقیر ہمراہِ استادِ خود روزے در عالم مکتب نشینی و ابتدائے شوقِ موزونی بصحبتِ ایشاں رسیدہ بود .....[۴]

اُن کے ایک مقطع میں بھی استاد کی خدمت کرنے کا اشارہ ملتا ہے :

اے مصحفی شاعر وہی ہووے گا (ہنرور)
جو میری طرح خدمتِ استاد کرے گا

لیکن ان اشارات سے ہمیں کسی واضح نتیجے پر پہنچنے میں مدد نہیں ملتی ۔ اتنا ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ انھوں نے بہت چھوٹی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا اور اُن کے استاد شاعری بھی امروہے کے ہی کوئی غیر معروف سے شاعر رہے ہوں گے خواہ اُنھیں کا تخلص مانی ہو یا کچھ اور ہو ۔

تخلص | حیاتِ دبیر کے مولف افضل حسین ثابت لکھنوی نے لکھا ہے :

"میں نے بہت سے تذکرے دیکھے۔ ایک ایک تخلص کے کئی کئی شاعر نظر آئے ۔ مگر دبیر تخلص مرزا صاحب سے پہلے کسی شاعر کا مجھے نظر نہیں آیا ۔ منشی منظفر علی خاں صاحب اسیر مرحوم گویا اسی موقع کے لئے فرما گئے ہیں :

شاعرانِ حال کیا مضمونِ نو باندھیں اسیر
ڈھونڈھتے ہیں یہ تخلص بھی نیا ملتا نہیں"[۵]

یہ کچھ ایسی قابلِ فخر بات نہیں کہ کسی شاعر کا تخلص ایسا ہو جو اس سے پہلے کسی نے نہ رکھا ہو ۔ اتنا ضرور ہے کہ کبھی کبھی نیا اور بدیع تخلص انتخاب کرنے سے جہاں شاعر کی انفرادیت کا اظہار ہوتا ہے وہیں اس کے ذہن کی ندرت اور تازہ کاری بھی ظاہر ہوتی ہے ۔ مگر اسے کلیہ نہیں بنایا جاسکتا ۔

مصحفی نے اپنا تخلص بالکل نیا ڈھونڈھ کر نکالا ہے ۔ اور جہاں تک ہمارے مطالعے کا تعلق ہے اردو فارسی میں آج تک کوئی دوسرا شاعر مصحفی سے پہلے یا ان کے بعد اس تخلص کا نہیں گذرا ۔ انھوں نے کبھی تخلص تبدیل بھی نہیں کیا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ "نہاں خانۂ ازل" سے یہ طغرائے امتیاز انھیں کے حصے

---

[۴] مصحفی : تذکرۂ ہندی / ۱۱۰ ۔ [۵] افضل حسین ثابت : حیاتِ دبیر / ۲۳ (لاہور ۱۹۱۳ء)

میں آیا تھا۔ جیسا کہ ہم نے شروع میں بھی لکھا ہے کہ میر حسن دہلوی پہلے تذکرہ نگار ہیں جنھوں نے مصحفی کا حال اور کلام اپنے تذکرے میں شامل کیا اس وقت مصحفی جوان کیا نوجوان ہی ہوں گے اور میر حسن سے ان کی ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی لیکن انھوں نے لکھا،

"از تخلصِ او معلوم می شود کہ مردے صالح است"[1]

یہ رائے بہت ہی مناسب اور متوازن ہے۔ ایک نادیدہ انسان کے بارے میں اس کے نام اور کلام ہی سے کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ بات لکھ کر میر حسن نے اپنے مردِ صالح اور قیافہ شناس ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ کیونکہ اگر غور کیجئے تو یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے بعض شعرا کا نام ان کی سیرت اور شاعری کا نشان (SYM FOL) بن گئے ہیں۔ مثلاً میر، میرِ مجلس ہیں۔ درد ایک صوفی منش انسان ہیں جن کا مسلک ہی یہ ہے کہ ؎

کفر کافر را و دیں دیں دار را
ذرۂ دردے دلِ عطّار را

سودا کی ہجویات اور ان کے "عنان گستہ" قلم کو دیکھئے تو "سودا زدہ" ہی نظر آتے ہیں۔ سوز، اگرچہ درد کے بھائی ہیں لیکن درد اور سوز میں جو فرق لغوی اعتبار سے ہے وہی ان دونوں کی شاعری میں ملے گا۔ سوز کے ساتھ مجاز کا تھوڑا زیادہ وابستہ ہے۔ اگر آزاد کی روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو میر نے یہاں تک کہدیا تھا کہ "شرفا میں ایسے تخلص ہم نے کبھی نہیں سنے"[2]

علیٰ ہذا، جرأت کے کلام میں "جرأتِ رندانہ" ہے تو رنگین کی "رنگیں طبعی" ان کے ریختہ، بختہ اور آمیختہ و انگیختہ سے ظاہر ہے۔ ریختی کو رواج دینے کا "سہرا" بھی بقولِ انشا انھیں کے سر ہے[3]۔ انشا کا قلم ہر زبان اور ہر میدان میں چلتا ہے۔ ایک طرف ہندی ادب کی تاریخ میں مختصر افسانہ اور "ہندی انشا" کا آغاز

---

[1] میر حسن: تذکرہ شعرائے اردو/۱۹۰۔ [2] آزاد: آبِ حیات/۲۱۸ (طبع دہم) [3] انشا: دریائے لطافت/۹۶، (اردو ترجمہ پنڈت کیفی ۱۹۳۰ء) "ریختے کے تئیں چھوڑ کر ایک ریختی ایجاد کی ہے اس واسطے کہ بھلے آدمیوں کی بیٹیاں پڑھ کر مشتاق ہوں۔"
[4] عبدالرؤف عشرت: آبِ بقا/۱۰ (نظامی پریس لکھنؤ)

ان کی کہانی "رانی کیتکی" سے ہوتا ہے تو دوسری طرف "بے نقط لکھنے" اور "بے نقط سنانے" میں اپنا حریف نہیں رکھتے۔ ناسخ کو دیکھیے تو متروکات کی گردن مارنے پر تلے ہوئے ہیں۔ آتش بھی "آتش کے پرکالے" ہیں۔ مزاج میں ایسی بھڑک ہے کہ "کسی نے ان کو دیکھ کر کھنکارا یا سامنے سے مونچھ اونچی کرتا ہوا نکلا۔ بس غضب آ گیا۔ تلوار کھینچ لی اور کہا آؤ ہمارے تمہارے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔"

غرض اس اعتبار سے دیکھیے تو مصحفی کے تخلص میں جو متانت، ثقاہت، سنجیدگی، ٹھہراؤ "مرنج و مرنجان" والی کیفیت اور صالحیت و صلح پسندی، مسکین نہادی، اور پاکیزگی ہے وہ ان کی شاعری کا اور ان کی سیرت کا عکس بھی پیش کرتی ہے۔

ترک وطن | مصحفی امروہہ سے نکل کر پہلے کہاں گئے؟ اس میں بھی ذرا سا غلط مبحث ہو گیا ہے۔ عام طور سے مورخوں اور تذکرہ نگاروں کا یہی خیال ہے کہ وہ امروہہ سے تحصیل علم کے لئے دہلی آئے تھے۔ لیکن ہمیں اس کے قبول کرنے میں تامل ہے۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق لکھتے ہیں: "اس پر سب تذکرہ نویسوں کا اتفاق ہے کہ ابتدائے شباب ہی میں وہ دہلی چلے آئے تھے اور وہیں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی اور وہیں ان کی شعر و شاعری چمکی۔۔۔۔ مصحفی نے اپنے بزرگوں کا پیشہ "نوکری خانۂ بادشاہ" لکھا ہے لیکن جب سلطنت کے کاروبار میں خلل واقع ہوا تو ان کا روزگار بھی درہم برہم ہو گیا۔ میر حسن اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ ان کی بسر اوقات تجارت پر تھی (تذکرہ میر حسن صفحہ ۱۹۰) سپرنگر نے بھی بحوالہ عشقی اس کی تائید کی ہے۔ مصحفی نے اپنے حال میں اس کا کہیں ذکر نہیں کیا لیکن دلی کے قیام کے ذکر میں جو چند جملے ضمناً ان کے قلم سے نکل گئے ہیں اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ میر حسن کا یہ خیال صحیح ہے کہ اس زمانے میں ان کی گزران تجارت ہی پر تھی لکھتے ہیں:

"میں شاہجہاں آباد میں بارہ سال تک در نجف خاں مرحوم میں گرفتہ عزلت میں رہا ۔۔۔۔ اور ایام افراتفری کے زمانے میں تلاش معاش کے لئے کسی کے دروازے پر نہیں گیا" (تذکرہ ہندی گویان صفحہ ۲۴۲)

اس سے قیاس ہوتا ہے کہ دلی میں وہ اپنی معاش اپنے دست و بازو سے کماتے تھے اور کسی کے دست نگر نہ تھے۔ اگرچہ بقول خود وہ دہلی میں بارہ سال تک عزلت گزیں رہے لیکن اس پر بھی مشاعروں کی شرکت بتوسط شاعری

کا چرچا برابر جاری رہا اور خود بھی اپنے ہاں مشاعرے ترتیب دیتے رہے (تذکرہ ہندی گویان حال اسد ۱۲ وغیرہ وغیرہ دیکھو عمدہ منتخبہ و مجموعۂ نغز)۔۔ دلی کا رنگ بدلا ہوا تھا اور حالات نامساعد تھے۔ بسر اوقات کے ذرائع تنگ ہو گئے تھے ناچار اپنے دوسرے ہم عصروں کی طرح دل پر پتھر رکھ کر دلی کو خیرباد کہا اور وادئ غربت میں قدم رکھا۔۔۔ مصحفی دلی سے آنولہ اور ٹانڈہ پہنچے ؎

جب میکدہ چھٹا تو رہی کیا جگہ کی قید مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو

ٹانڈے میں نواب محمد یار خاں امیر خلف نواب علی محمد خاں صاحب ذوق اور قدر شناس امیر تھے شاعروں کا ان کے ہاں اچھا خاصا جمگھٹا تھا۔۔۔ مصحفی بھی شریک صحبت ہو گئے۔۔ لیکن یہ مجلس زیادہ مدت جمنے نہ پائی سکرتال کی لڑائی میں نواب ضابطہ خاں کو شاہ عالم نے مرہٹوں کی امداد سے ایسی شکست دی کہ ٹانڈے کی امارت درہم برہم ہو گئی۔۔۔ مصحفی ٹانڈے سے ۱۱۸۵ھ کے لگ بھگ لکھنؤ پہنچے۔[۱]"

یہ اقتباس بہت طویل ہو گیا لیکن اپنے مقصد کی وضاحت کے لئے اسے طوالت کے باوجود نقل کرنا ضروری تھا۔ مولوی عبدالحق نے اس عبارت میں چند باتیں ایسی لکھی ہیں جو بڑی مغالطہ انگیز ہیں:

(الف) ان کا خیال ہے کہ مصحفی ابتدائے شباب میں دہلی آئے۔ یعنی امروہہ سے سیدھے یہیں آگئے تھے اور یہاں تعلیم حاصل کی، شعر و شاعری کا چرچا رہا، وغیرہ۔

(ب) اسی زمانے میں مصحفی بارہ سال تک گوشہ نشین اور عزلت گزین رہے اور یہ نجف خاں کا زمانہ تھا۔ (یہ ذہن میں رکھیے کہ نجف کا دور وزارت ۱۱۸۶ھ سے شروع ہوتا ہے ۱۱۹۶ھ تک رہتا ہے۔)

(ج) اس گوشہ نشینی کے بعد وہ ٹانڈہ پہنچے۔ اور وہاں سے لکھنؤ گئے۔ ٹانڈے سے اجڑنے کا سبب بھی خود ہی لکھ دیا ہے کہ ۱۱۸۵ھ میں ضابطہ خاں کی شکست نے محمد یار خاں امیر کی امارت کو درہم برہم کر دیا تھا۔

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ جو شخص دہلی میں بارہ سال تک گوشہ نشین رہا، وہ ۱۱۸۵ھ میں کیونکر کیسے پہنچ گیا؟ — ظاہرا مولوی عبدالحق کی عبارت سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اُن کی رائے میں مصحفی بارہ سال تک دہلی میں قیام کر کے تعلیم حاصل کرنے کے بعد ٹانڈہ اور آنولہ پہنچے تھے۔ حالانکہ یہ صریحاً غلط ہے۔ (باقی)

[۱] عبدالحق: مقدمہ تذکرۂ ہندی، مصحفی / ص ب تا د۔